حسن الصغانی

پیر محمد حسن/عبدالماجد ندیم

ABSTRACT:

Al-Hassan bin Muhammad al-Sagani was distinguished Islamic scholar of medieval times. He is little known to Urdu world.In his remarkable book Albab, he investigated the vocabulary and documented some rare sources, and distinguished what was in the language dictionaries from the hadith, and in this approach he is not imitating one of the authors of the compilations that were written before him, but He reviewed their collections and relied on the most authentic narratives, choosing the sayings of trusted masters, citing the names of the Arab horses and their swords, their spots and their lands, their lightning and their circuits, their knights and their poets, citing the poems on health. This article is an Urdu translation of his introduction written by Peer Muhammad Hasan.

Key Words:

Al-Hassan Bin Muhammad al-Sagani, Al-Ibabuz-Zazakhir, Arabic Lexicograpy, Scholars of Medieval Islam.

رضی الدین حسن الصغانی (۱۱۸۱-۱۲۵۲) سرزمین لاہور کے ایک غیر معمولی فرزند تھے جنھیں ان کے مرزبوم ہی نے فراموش کر دیا۔ راقم ایک عرصے سے صغانی کے احوال و خدمات کے حوالے سے کام کر رہا ہے جس کے کچھ حصے مجلہ تحقیق کلیہ علومِ اسلامیہ و شرقیہ پنجاب یونیورسٹی، مجلّہ فکر و نظر اسلام آباد اور ارمغان شبیر احمد صدیقی، شیخ زاید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ اردو دنیا نے صغانی کی جانب التفات نہیں کیا۔ عربی والوں نے بھی بہ استثنائے چند صغانی کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن نے صغانی کی لغت العباب الزاخر واللباب الفاخر کو مرتب کر کے علمی دنیا پر احسان کیا ہے۔ اس لغت کے مقدمے کے

طور پر انھوں نے صغانی کے احوال پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ اردو دنیا کی صغانی سے عمومی بے خبری کے باعث راقم کی خواہش تھی کہ ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب کے مقدمے کا یہ حصہ ارباب اردو تک بھی پہنچ جائے۔ چنانچہ راقم نے ڈاکٹر عبدالماجد ندیم صاحب سے اس کے ترجمے کی فرمائش کی۔ ڈاکٹر صاحب نے از رہِ کرم اس درخواست کو قبول کیا اور محنت اور توجہ سے ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب کے مقدمے کے سوانحی حصے کا اردو ترجمہ کر دیا جو ان کے شکریے کے ساتھ بازیافت کے خوانندگانِ کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ترجمہ بلاشبہ اردو دنیا کے لیے ایک تحفے کی حیثیت رکھتا ہے۔

زاہد منیر عامر
مدیر اعلیٰ

آپ اَبو الفضائل رضی الدین حسن بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی بن اسماعیل[۱] ہیں، آپ کو "القرشی، العدوی، العمری، اور الصغانی" جیسی کئی نسبتوں اور "حجۃ العرب، لسان اَہل الأدب، فخر الحفاظ، عمدۃ المحدّثین،" جیسے کئی القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

مجد الدین فیروز آبادی رقم طراز ہیں (القاموس: ص غ ن) کہ "صغانیان" ما وراء النہر میں واقع ایک بہت بڑی آبادی ہے، الإمام، الحافظ فی اللغۃ الحسن بن محمد بن الحسن، صاحب تصانیف ہیں اور نسبت صغانی اور صاغانی انھی کی طرف منسوب ہے، یہ لفظ دراصل چغانیان سے معرّب ہے۔

زبیدی لکھتے ہیں (تاج العروس: ص غ ن): یہ نسبت صغانی اور صاغانی ہے، **العباب و رالتكمله** میں خود اپنے بارے میں رقم طراز ہیں: ''**يقول محمد بن الحسن الصغانی**'' (محمد بن الحسن الصغانی کہتا ہے) گویا یہاں بغیر الف کے ہی درج کیا ہے، مصنف[۲] کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نسبتیں درست ہیں، اور منسوب الیہ مقام ایک ہی ہے؛ میں نے اسی رائے کو اپناتے ہوئے کہیں ''قال الصغانی'' اور کہیں ''قال الصاغانی'' درج کیا ہے، لیکن کچھ کتب انساب میں مجھے ان دونوں نسبتوں میں فرق ملا ہے، جہاں تک صغانیان کا تعلق ہے تو یہ تو وہی مقام ہے جس کا مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، جب کہ ''صاغان''، ''چاغان'' سے معرّب ہے جو مرو کی ایک بستی یا نخلستان ہے۔

العباب کے محقق محمد حسن بن محمد حسین لکھتے ہیں: سمعانی اور یاقوت[۳] دونوں نے صغانیان اور صاغان کو دو مختلف مقامات کے طور پر ذکر کیا ہے، صغانیان ماوراء النہر میں واقع ہے، جب کہ صاغان مرو کی ایک بستی ہے، ان دونوں کے درمیان لمبا فاصلہ ہے، لہٰذا ان دونوں نسبتوں کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے، صاغان کی طرف نسبت کرنے کی صورت میں صاغانی اور صغانیان کی طرف نسبت کی صورت میں صغانی ہوگا؛ ہمارے موصوف صغانی ہیں، صاغانی نہیں ہیں۔[۴]

صغانی مجمع البحرين (ص غ ن) میں کہتے ہیں: محمد بن اسحاق الصغانی ثقہ محدثین میں سے تھے، اور دیگر [م ق ۴] صغانیین اس شہر سے منسوب ہیں وہ ''ما وراء النہر میں واقع چغانیان ہے، جو بہت گرم، سرسبز مقام ہے

وہاں پوری آبادی میں پانی کی روانی ہے"

بشاری کہتے ہیں: وہاں ۱۶،۰۰۰ بستیاں ہیں، "چ" کو "صاد" سے بدلا گیا ہے جیسے کہ "الجص" جس کی اصل "گچ" ہے اور "الصّنج" جس کی اصل "چنگ" ہے۔

العدویّ بنی عدیّ بن النجار کی طرف نسبت ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان ہے، کیونکہ صغانی اس کی طرف منسوب ہیں، اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آپ ہی کے نسب سے ہیں۔

جہاں تک آپ کے مقام اور تاریخ پیدائش کا تعلق ہے تو آپ کے شاگرد حافظ دمیاطی کہتے ہیں: میں نے شیخ سے ان کے مولد کے بارے میں ایک سے زائد مرتبہ سوال کیا تو آپ نے مجھے فرمایا: میں لاہور میں جمعرات کے دن ۱۰ صفر سنہ ۵۷۷ھ میں پیدا ہوا ہوں۔

لیکن ہم مصنف کی اپنی اس گواہی کے باوجود دیکھتے ہیں کہ زبیدی (تاج العروس ص غ ن) ذہبی سے نقل کرتے ہیں: "لاہور شہر میں سنہ ۵۵۵ میں پیدا ہوئے، جب کہ غزنہ میں پرورش پائی، اور سنہ ۵۹۵ میں بغداد میں داخل ہوئے، یہاں سے نامہ گراں مایہ لے کر ۶۱۷ھ میں شاہ ہند کی طرف گئے، آپ نے مکہ، یمن اور ہندوستان میں قاضی سعد الدین بن خلف بن محمد الحسن آبادی اور نظام محمد بن الحسن المرغینانی سے سماعت کی، جناب عبدالحی لکھتے ہیں (نزہۃ الخواطر: ۱: ۱۳۷–۱۴۱) آپ لاہور شہر میں ۱۵ صفر سنہ ۵۵۷ میں پیدا ہوئے۔

صغانی کے سوانح نگاروں کی اکثریت اسی رائے پر ہے کہ ان کی ولادت ۵۷۷ھ میں ہوئی۔

مناسب ہوگا اگر ہم وہ باتیں پیش نظر رکھیں جو صغانی نے خود اپنے حالات اور سیرت کے حوالے سے العباب میں سنہ وار درج کی ہیں:

(۱) بشامہ بن حزن النہشلی کا قول، بنی قیس بن ثعلبہ کے کسی شخص سے بھی مروی ہے:

بیض مفارقنا تغلي مراجلنا نأسو بأموالنا آثار أيدينا[۵]

ترجمہ: ہم سفید پیشانیوں والے ہیں (کثرت مہمان داری کی وجہ سے) ہماری دیگیں آپ پر چڑھی رہتی ہیں، ہم اپنے مال کے ذریعے سے اپنے کاموں کا بدلہ اتار دیا کرتے ہیں۔

العباب کے مصنف صغانی رحمہ اللہ تعالی نے کہا: میں نے اپنے والد سے، اللہ تعالی انھیں اپنی رضا کے زیوروں سے آراستہ کرے، اور اپنی جنتوں کی فضاؤں میں بسائے، سنہ ۵۸۳ تا ۵۸۹ کے لگ بھگ سماعت کی ہے، میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ (سماعت) غزنہ میں ہوئی تھی، کہتے ہیں: میں اپنے بچپن میں ابو تمام کی کتاب الحماسہ غزنہ میں اپنے شیخ سے پڑھا کرتا تھا، انھوں نے درج بالا شعر کی شرح کی، انھوں نے (بیض مفارقنا) کی دو سو توجیہات بیان فرمائیں، جس پر میں ششدر رہ گیا، یہاں تک کہ بغداد میں سنہ ۶۴۰ کے قریب مجھے وہ کتاب ملی، جس میں انھوں نے یہ وجوہ بیان کی، اور اللہ کا ہی شکر اس کی تمام نعمتوں پر (العباب ب ی ض)

(۲) میرے والد صاحب، اللہ انھیں اپنی رحمت سے ڈھانپے، اور اپنی جنت کی فضا میں بسائے، مجھ سے سنہ ۵۹۰ سے قبل، جب کہ میں جوانی کے کنارے کھینچ رہا تھا، اور زندگی کے قابل رشک حالات سے لطف اندوز ہو رہا

تھا، مجھے علمی جواہر پر فریفتہ کر رہے تھے، اور (علم کے) قیمتی وانمول موتیوں کی غذا مجھے فراہم کر رہے تھے، اور آپ رحمہ اللہ [م ق ۵] فضائل سے سیراب اور رذائل سے مکمل محفوظ تھے، ان کے اس قول کے معنی کے بارے میں مجھ سے سوال کیا:

" قد أثر حصیر الحصیر فی حصیر الحصیر " مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے کیا کہنا ہے، تو بتایا کہ پہلے لفظ " حصیر " سے مراد چٹائی ہے، دوسرے سے مراد ''جیل'' ہے، تیسرے سے مراد ''پہلو'' ہے اور چوتھے سے مراد ''بادشاہ'' ہے۔ (العباب: ح ص ر)

(۳) اس کتاب کے مصنف صغانی نے کہا: میں نے اس لفظ کو سنہ ۵۹۳ میں سنا: یُوح ویُوحی علی فُعلی، بیاء معجمۃ باثنتین من تحت .(العباب: ب و ح)

(۴) ابو زیاد نے کہا: الحسّار: دراصل سبز گھاس ہے جو زمین کی سطح پر رہتا ہے، اور چوپائے اسے بہت کھاتے ہیں، اس کتاب کے مصنف صغانی نے کہا: کہ میں نے ''حسار'' سنۃ ۶۰۵ میں بحر یمن کے جزائر میں سے ایک جزیرۃ ''کمران'' میں دیکھا تھا، یہ مجھے اس جزیرے کے کسی بچے نے دکھایا تھا، اس نے مجھے القرمل[۱] بھی دکھایا تھا۔

(۵) فرسان، غطفان کی طرح ہے: بحر یمن کے جزائر میں سے ایک آباد جزیرہ ہے، اس کتاب کے مصنف صغانی نے بتایا: میں وہاں سنہ ۶۰۵ کے کچھ دن ٹھہرا، ان کے ہاں موتیوں کے خزانے ہیں (العباب ف ر س)

(۶) اور "الکنیسۃ" کے ساتھ، بحر یمن کی ایک بندرگاہ ہے، جو مکہ، اللہ اس کی حفاظت فرمائے، سے آنے والے کے لیے زَبید کے بعد آتی ہے، اس کتاب کے مصنف صغانی نے بتایا: کہ میں وہاں ۶۰۵ میں رہا (العباب ک ن س)

(۷) ''بُضاعۃ'' کا کنواں، ضمہ کے ساتھ، کسر کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے، لیکن پہلا زیادہ صحیح ہے .یہ مدینہ، اس کے باشندوں پر سلامتی ہو، کا ایک کنواں ہے.

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ بئر بضاعہ سے وضو فرماتے ہیں، جس میں حیض، کتوں کا گوشت اور دوسرا گند ڈالا جاتا ہے، تو آپ نے فرمایا:" الماء طُھور لا ینجسہ شیء" پانی طہور ہے اسے کوئی چیز پلید نہیں کرتی؛ اور روایت میں آتا ہے: (کہ آپ کے لیے بئر بضاعۃ سے پینے کے لیے پانی لایا جاتا ہے) ابو داودؒ سلیمان بن الأشعث السجستانی نے بتایا: میں نے بئر بضاعہ کو دو چادروں سے ناپا، اس پر ان دونوں کو پھیلایا، پھر بازووں سے ان کی پیائش کی تو ان کی چوڑائی چھ بازوؤں جتنی تھی، اور جس شخص نے باغ کا دروازہ کھول کر مجھے داخل کیا تھا میں نے اس سے پوچھا: اس کی تعمیر میں بعد ازاں کوئی تبدیلی تو نہیں آئی؟ تو اس نے بتایا: نہیں، میں نے دیکھا کہ اس کے پانی کی رنگت بدلی ہوئی تھی۔

اس کتاب کے مصنف صغانی رحمہ اللہ تعالی نے بتایا: میں نے مکہ میں، اللہ تعالی اس کی حفاظت فرمائے، یہ حدیث سنی، سنن ابو داؤد کی سماعت کرتے وقت، پھر جب مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل

ہوا، یہ بات سنہ ۶۰۵ کی ہے، میں اس باغ میں جہاں بئر بضاعہ ہے داخل ہوا میں نے کنویں کا قُطر اپنے عمامے سے معلوم کیا، تو وہ ویسا ہی تھا جیسا کہ ابو داود نے بتایا (العباب ب ض ع)

(۸) پہلی دفعہ میں نے ارینہ (أَرَيْنِبَة) سنہ ۶۰۵ میں جمرۃ العقبہ کے ساتھ اور حراء پہاڑ کے درمیان دیکھا (العباب ح ق ق)

(۹) اللَبِخ: لبخ کا درخت، یہ چنار کے درخت کی طرح بڑے ہوتے ہیں اور کھجور جیسا اس کا پھل ہوتا ہے، میٹھا ہونے کے باوجود مکروہ ہے، لیکن ڈاڑھ کے درد کے لیے اچھا ہے؛ کہا: جب اس درخت کو چیرا جاتا ہے، تو اپنے چیرنے والے کی نکسیر جاری کر دیتا ہے، اس سے تختیاں بنائی جاتی ہیں اس کی تختی کئی دنانیر تک پہنچتی ہے، اور اگر اس کی دو تختیاں ملائی جائیں تو چپک کر ایک تختی بن جاتی ہیں۔

اس کتاب کے مصنف صغانی نے کہا: میں نے اس درخت کا پھل زَبید میں سنہ ۶۰۵ میں دیکھا، اور اس کا درخت بھی میں نے دیکھا، اور پھل [م ق ۲] سبز خوبانی کی طرح تھا، اہل زبید اس کو گوشت کے ساتھ پکاتے ہیں (العباب ل ب خ)

(۱۰) اور ''اِعلیط'': ''مرخ''، کے پھل کا برتن، جو کہ لوبیا کے چھلکے سے مشابہ ہے، گھوڑے کے کانوں کی بھی اس سے تشبیہ دی جاتی ہے، مؤلفین لغت میں سے کچھ نے بیان کیا ہے کہ "الإعليط" مرخ کا پتہ ہے، کیونکہ مرخ کے پتے نہیں ہوتے اس لیے یہ ڈھکا ہوا نہیں ہوتا، اس کی لکڑی ہلکی اور شاخیں پتلی ہوتی ہیں؛ اس کتاب کے مصنف صغانی رحمہ اللہ تعالی نے بتایا کہ میں نے ۶۰۵ میں قدید کے علاقے میں ام معبد کے دوخیموں کی جگہ پر، پہلی بار مرخ دیکھا، میں نے اس سے چقماق کے اوپر والی لکڑی کا کام لیا، کیونکہ مجھے ان کا قول معلوم تھا: (فی کل شجر نار واستمجد المرخ والعفار[۵]) ہر درخت میں آگ ہوتی ہے، خاص طور پر مرخ اور عفار میں (العباب ع ل ط)

(۱۱) زَبید: یمن کا ایک بہت بڑا شہر: مامون (قدس اللہ روحہ) کی خلافت میں تعمیر ہوئی، جس کا یمانی ساحل "الأہوب" اور شامی ساحل "غلافقۃ" ہے، اس شہر سے علماء و زہاد اور اصحاب کرامات کی ایک کثیر تعداد ابھری ہے۔ یہ ایک تاریخی شہر ہے، میں اس شہر میں رمضان سنہ ۶۰۵ میں داخل ہوا، وہاں کے ایک صاحب ابراہیم الفشالی صاحب کے بارے میں مجھے بتایا گیا، "الفشال" زبید میں ایک بستی ہے، میں وہاں بھی گیا ہوں۔ آپ صاحب کرامات تھے، ان کی زیارت کے لیے لمبے لمبے سفر کیے جاتے ہیں۔ میں بھی ان کی زیارت سے فیض یاب ہوا۔ اور برکت حاصل کی، اہل زبید اور اہل عدن کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حاجی کے وقوف عرفات کو ایک یا دو دن رہ جاتے ہیں، تو وہ زبید سے غائب ہو جاتے ہیں اور روایت میں آتا ہے کہ ان کو عرفات میں دیکھا جاتا ہے، اور ایام تشریق کے بعد زَبید میں دیکھے جاتے ہیں، اللہ ہم پر اور ان پر رحم فرمائے (العباب ز ب د)

(۱۲) مراک، فتحہ کے ساتھ: بحر یمن کے ساحل پر ایک جگہ ہے، جہاں کشتیاں کنارے پر لگتی ہیں، جو مکہ (حرسہا اللہ

تعالی) کی جانب عدن سے ایک دن کی مسافت پر ہے، اس کتاب کے مصنف صغانی نے بتایا ہے: میں کئی بار ٹھہرا ہوں، سب سے پہلا قیام سنہ ۶۰۵ میں تھا (العباب م ر ک)

(۱۳) عنبر: حجاز سے یمن آتے ہوئے میں نے اہل جدہ کو سنہ ۶۰۶ میں دیکھا۔ انھوں نے اس سے بنی ہوئی جوتیاں پہنی ہوئی تھیں، جو انتہائی قوی، پائیدار، پختہ، اور مضبوط تھیں، اور میں نے بھی ایک جوتی حاصل کی (العباب ع ن ب)

(۱۴) فرث: میں سنہ ۶۰۶ میں وادی صفراء میں آیا،....یا مکہ (حرسہا اللہ تعالی) کی طرف واپس آتے ہوئے، تو ایک برقع پوش عورت میرے سامنے آئی، اس کے پاس ایک چمڑے کے برتن میں یا چھوٹی مشک میں خالص دودھ تھا، میں نے اس کے ساتھ اس کا سودا کیا اور کہا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ پھٹا ہوا نہ ہو!؛ اس نے کہا: نہیں، اس ذات کی قسم جس نے اسے نکالا ''من بین فرث ودم'' یعنی گوبر اور خون کے درمیان سے۔ (العباب ف ر ث)

(۱۵) اور ''الضیح'' بھی: گوگل کا پکا ہوا پھل، یہ تمام اہل یمن کی لغت ہے؛ اس کتاب کے مصنف صغانی نے بتایا: سب سے پہلے میں نے یہ لفظ سنہ ۶۰۶ میں عدن شہر میں سنا، میں اسے بیان کر رہا ہوں، جب کہ دینوری نے کتاب النبات میں اس کا ذکر نہیں کیا (العباب ض ی ح)

(۱۶) زبّاد[۹]: جب کہ میں سنہ ۶۰۹ کے مہینوں میں، مقدیشو[۱۰] میں تھا، میرے پاس یہ جانور لوہے کے ایک پنجرے میں لایا گیا، وہ اسے "دابۃ الزباد" اور "سنّور الزباد" پکار رہے تھے۔ (العباب ز ب د)

(۱۷) ابن عباد نے کہا: ''البُنبک'' ڈولفن کی طرح پانی کے جانوروں میں سے ہے، اور کہا گیا ہے: وہ بہت بڑی مچھلی ہے جو پانی میں ہی آدمی کو دو حصوں میں کاٹ دیتی ہے[م ق ۷] پھر نگل لیتی ہے، اس کتاب کے مصنف صغانی نے بتایا ہے کہ المحیط کے کچھ نسخوں میں ایسا ہی ہے، اس کے دونوں باؤں پر ضمہ ہے، میں نے اس اسم کی سماعت سنہ ۶۰۹ میں اس کی فتحہ کے ساتھ کی ہے، میں نے یہ مچھلی مقدیشو میں دیکھی ہے۔ اس نے (اسی طرح) غوطہ خور کو دو حصوں میں کاٹا اس کا ایک حصہ نگل گئی اور دوسرا حصہ پانی پر تیرتا رہا، علاقے کے لوگوں نے اسے مختلف حیلوں سے شکار کیا تو دیکھا کہ اس غوطہ خور کا وہ نصف حصہ اسی حالت میں اس کے پیٹ میں تھا۔ (العباب ب ن ک)

(۱۸) ابولبابہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ ربوض کی زنجیر سے بندھے رہے یہاں تک کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی، قتبی نے کہا: "الربوض" بھاری بوجھل؛ اس کتاب کے مصنف صغانی رحمہ اللہ تعالی نے کہا: قتبی نے ان کے بندھنے کی وجہ نہیں لکھی، اور اس کا سبب وہی ہے جو حافظ ابو الفتوح نصر بن اَبی الفرج بن علی الحضری (الحصری) رحمہ اللہ تعالی نے ہمیں بتایا، جب میں مکہ (حرسہا اللہ تعالی) میں حرم شریف (زادہ اللہ شرفا) میں ان سے کعبہ معظّمہ (زادہا اللہ تعظیما) کے سامنے، سنہ ۶۱۳ کے مہینہ رجب میں پڑھ رہا تھا (العباب ر ب ض)

(۱۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا میں نے کسی خزّ، قزّ، دیباج اور حریرؐکو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہیں پایا۔

اس کتاب کے مصنف صغانی نے، اللہ ان کی زبان پر اپنی تسبیح جاری فرمائے اور ان کی وفات کا دن ان کی عید کا دن بنا دے، فرمایا: میں نے یہ حدیث بہت پہلے سنی تھی، پھر میں نے نیند میں دیکھا کہ میں مکہ (حرسہا اللہ تعالی) میں ہوں یہ بات سنہ ۶۱۴ کی ہے، گویا کہ مجھے کعبہ کی چابیاں دی گئی ہیں، اور مجھے کہا گیا کہ جب چاہو اس کو کھولو، تو میں دروازے کی طرف آگے بڑھا، اور اس کو کھول کر اس میں داخل ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں کعبہ کے درمیان میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر (مبارک) پر ہوں، اور وہاں ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی جانب بیٹھا ہے، اور آپ کی پائنتی طرف ایک دوسرا شخص کھڑا ہے، تو میں نے عرض کی: السلام علیک یا رسول اللہﷺ! میں نے قبر سے اور ان دو آدمیوں سے اور گھر کے ارد گرد سے آواز سنی: وعلیک السلام؛ تو وہ دو آدمی غائب ہو گئے، اور قبر کھل گئی، اور میں نے دیکھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میت کی حالت میں اپنی دائیں سمت لیٹے ہوئے ہیں، اور آپ کا چہرہ (مبارک) کعبہ کی طرف ہے، تو میں نے آپ سے مصافحہ کیا اور کہا: (صافحت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم فما مَسَسْتُ خزا ولا قزا ولا دیباجا ولا حریرا ألین من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی کی نرمی محسوس کر رہا تھا، پھر میں نے رخ موڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ تشریف فرما ہیں اور آپ کا چہرہ مبارک کعبہ کے دروازے کی طرف ہے۔ کعبہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی ہے میں آپ کے قریب ہوا اور کہا: یا رسول اللہ مجھ سے مصافحہ فرمایئے تو آپ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا میں نے وہی بات دہرائی، تو عرض کی: (صافحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما مسست خزا ولا قزا ولا دیباجا ولا حریرا ألین من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پھر میں نے نکلنے کا ارادہ کیا اور دروازے کے قریب ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ویسے ہی تشریف فرما ہیں، تو میں لوٹا اور عرض کی اے اللہ کے رسول مجھ سے مصافحہ فرمایئے تو آپ نے اپنا دایاں پاؤں (مبارک) بلند فرما کر میری طرف دراز فرمایا اس کا تلوا میرے سامنے کیا اور فرمایا: اپنا حصہ لے لو۔ میں آپ کے پاؤں سے چمٹ گیا اور آپ کے (مبارک) تلوے کو چومنے لگا اور اپنی پیشانی اور چہرہ اس سے ملتا رہا، پھر واپس آ گیا، اور اللہ کا شکر ہے اس کی نعمتوں پر (العباب ص ف ح) [م ق ۸]

(۲۰) قراریط: اس کتاب کے مصنف صغانی رحمہ اللہ تعالی نے کہا میں سنہ ۶۱۵ میں بغداد آیا اور یہ میری پہلی آمد تھی، مجھ سے کسی ایک محدث نے اس حدیث میں لفظ القراریط کا معنی دریافت کیا تو میں نے جواب دیا جیسا کہ ذکر کیا ہے، تو اس نے کہا: ہم نے فلاں حافظ سے سنا ہے کہ "القراریط" ایک پہاڑ اور جگہ کا نام ہے۔ میں نے اس بات کا قطعی انکار کیا جب کہ وہ اپنی بات پر مکمل مصر رہا، اللہ ہمیں خطا، بے ہودگی اور لغزش سے پناہ دے۔ (العباب ق ر ط)

(۲۱) سنہ ۶۱۵ میں مجھے ایک ضرورت پیش آئی جس نے مجھے پریشان کر دیا تھا، میں ان کی قبر پر آیا (یعنی حضرت معروف کرخی کی قبر)۔ میں نے ان کے سامنے اپنی حاجت کا ذکر کیا، جس طرح زندہ لوگوں سے ذکر کیا جاتا

ہے۔ اس عقیدے کے ساتھ کہ اللہ والے مرتے نہیں ہیں، بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل کرتے ہیں، پھر میں چلا آیا اور میری ضرورت اپنی رہائش گاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی پوری ہو چکی تھی (العباب ع ر ف)

(۲۲) قنوج: بلاد ہندوستان میں ایک جگہ ہے، اس کتاب کے مصنف صغانی نے کہا: اگر اس کا ذکر التھذیب میں نہ آتا تو میں اس کا ذکر نہ کرتا، اس کا وزن "فِعَّول" ہے، جیسے بلے کے لیے "سِنَّور" یہ "کَنُوج" بفتح الکاف اور نون وضم الواو سے معرب ہے، سطان یمین الدولہ محمود بن سبکتگین نے اس کو فتح کیا۔ بعد ازاں ہندوستان کے کفار اس پر مسلط ہوگئے، پھر سلطان شہاب الدین محمد بن سام الغوری، پھر اس پر کفار کا غلبہ ہو گیا، تو پھر اسے شمس الدین ایلتتمش (اللہ انھیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لے) نے فتح کیا جب مجھے امام الناصر لدین اللہ أبو العباس أحمد أمیر المؤمنین قدس اللہ روحہ نے سنہ ٦١٧ میں اس کی طرف بھیجا تو اس پر مضبوط فصیل بنائی، اب یہ ہندوستان میں مسلمانوں کے مشہور شہروں میں سے ہے۔ (العباب ق ن ج)

(۲۳) عبّادان: یہ ایک جزیرہ ہے جسے بحر عرب میں آ کر گرنے والے دجلہ کے دو حصوں نے گھیرا ہوا ہے، یہ عبادت گزاروں کی عبادت گاہ ہے اور ایسا مقام ہے جس کی طرف زہاد سفر اختیار کرتے ہیں۔ اس میں ایسی زیارت گاہیں ہیں جو اپنے زائرین کو زبان حال سے اللہ سے لو لگانے اور گھٹیا دنیا سے پہلو تہی اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اس کتاب کے مؤلف صغانی نے کہا کہ میں سنہ ٦٢٤ میں یہاں آیا تو میں نے وہیں بسنے کا ارادہ کر لیا لیکن میرے لیے یہ ممکن نہ ہو سکا کیونکہ میرے معاملات کا اختیار میرے ہاتھ میں نہیں تھا، تو مجھ پر گریہ طاری ہوا میں خوب رویا اور کہنے لگا:

میرا نفس ہر وقت خواہشات کے ساتھ چلتا رہا۔ طاعات کی طرف اپنی باگ نہیں موڑتا، تو پھر
جب میں عبادان میں آیا، تو یہاں لنگر انداز ہوا، کیوں کہ عبادان کے علاوہ کوئی بستی نہیں ہے
(جہاں سکونت اختیار کی جائے) (العباب: ع ب د)

(۲۴) خَارَک، مثل طابَق: یہ بھی بحر عرب کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ ہے۔ اس کتاب کے مصنف صغانی نے بتایا کہ میں یہاں سنہ ٦٢٤ میں آیا، جب مجھے دوسری مرتبہ دارالخلافہ (اللہ اسے عظمت عطا فرمائے) سے بادشاہ ہند شمس الدین ایلتتمش (اللہ ان کی دلیل روشن کرے) کے پاس پیغام بر بنا کر بھیجا گیا (العباب خ ر ک)

(۲۵) صحار العبدی رضی اللہ عنہ، آپ صحابی تھے، بصرہ کے نواح میں شہر سے دور دفن ہیں، اس کتاب کے مصنف صغانی نے بتایا کہ میں نے شعبان سنہ ٦٢٤ میں آپ کی قبر کی زیارت کی (العباب: ص ح ر)

(۲٦) قُصیر، اسم تصغیر کے وزن پر ... ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے، بحر عرب کے جزیرہ ہنکام کے قریب ایک چھوٹی سے بستی ہے، اس کتاب کے مصنف صغانی نے بتایا [اختتام ص ۹]: مجھے ابراہیم الہنکامی رحمہ اللہ نے سنہ ٦٢٤ میں بتایا کہ جزیرہ قُصیر أبدال، نیک لوگوں اور گوشہ نشینی اختیار کرنے والوں کی جگہ ہے، وہاں کوئی مستقل

رہائشی نہیں ہے۔تو انھوں نے ہنکام سے مجھے اس (جگہ کا) مشورہ دیا،مشورہ تو پسند آیا مگر کچھ دیر بعد یہ بات سامنے آئی کہ کاش میں اس کا اختیار رکھتا ہوتا تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر اسی کی طرف کوچ کر جاتا،لیکن میں تو بغداد سے ایک پیغام دے کر بھیجا گیا تھا (العباب: ق ص ر)

(۲۷) اس کتاب کے مصنف صغانی نے کہا میں سنہ ٦٣٦ میں وہاں گیا اور قیام کیا (العباب: د غ ب ج)

(۲۸) الکدراء: یمن میں وادی سہام پر واقع ایک شہر ہے، اس کی طرف چڑا منسوب کیا جاتا ہے، میں ہندوستان سے مدینۃ السلام (اللہ تعالی اس کی حفاظت فرمائے) کی طرف واپس آتے ہوئے سنہ ٦٣٧ میں اس شہر میں داخل ہوا۔ (العباب: ک در)

(۲۹) اس کتاب کے مصنف صغانی نے کہا: میں اپنی اس کتاب کی تصنیف میں سنہ ٦٤٧، مدینۃ السلام (اللہ تعالی اس کی حفاظت فرمائے) میں یوم القر[۲۱] [شاید یہ ''یوم القرح'' ہے] اسی جگہ تک پہنچا۔ (العباب: ج رر)

(۳۰) أبوعبداللہ الحسین بن خالویہ النحوی نے کتاب لیس میں کہا:

اجرأشت الإبل: یعنی موٹے ہوگئے اور ان کے پیٹ بھر گئے، ایسی اونٹنیوں کو "مُجرأشۃ" کہتے ہیں، خلاف قیاس ہمزہ کی فتحہ کے ساتھ، جیسا کہ کہا جاتا ہے "أَلْفَجَ" اور اس سے اسم فاعل ''مُلفَج'' اور ''أحصنَ'' سے ''مُحْصَن'' اور ''أسهَب'' سے ''مُسْهَب''؛ ابن خالویہ نے کہا: میں نے یہ لفظ یعنی ''مجرأشة'' ستر سال بعد پایا؛ اس کتاب کے مصنف صغانی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: میں نے اس لفظ کو ستر سال بعد پایا، درازی عمر اور آثار علمیہ کی طرف آمد و رفت، اچھے لوگوں کی صحبت، بروں سے دوری، زیارات اور حج وعمرے کی کثرت پر اللہ کا شکر ہے، کہ اللہ نے مجھے اپنے نیک أولیاء میں سے بنایا ہے جو تہجد کے وقت میں استغفار اور صبح وشام ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔ (العباب: ج رش و کتاب الشواذ)

(۳۱) حرف طاء کے آخر میں:

(یہ اختتام ہے) حرف الطاء کتاب **العباب الزاخر واللباب الفاخر** سے جو کہ اللہ تعالی کے حرم کے پناہ گزین الحسن بن محمد بن الحسن الصغانی کی تصنیف ہے، اللہ تعالی اسے رضوان کی پوشاکیں پہنائے، اور جنت کے بلند ترین مقامات میں ٹھہرائے، اس وقت اس کو تصنیف کیا جب کہ وہ اللہ تعالی کے حرمت والے گھر اور حرمت والے مشاعر کی تعظیم اور وہاں کی حاضری سے قاصر تھا، اور وہ اللہ تعالی سے دعا گو ہے کہ اس کی گردن آزاد ہو اور اسے آزادی دلائے اور آسانی کا معاملہ فرمائے کہ یہاں سے چھوٹ کر کہیں جا سکے۔

(۳۲) ہر چیز کے اول حصے کو ''قرح'' کہتے ہیں، کہا جاتا ہے ''فلان قرح الأربعین'' یعنی فلاں چالیس کے ابتدا میں ہے۔

اس کتاب کے مصنف صغانی نے بتایا: میں جب اس کتاب کی تصنیف میں اس جگہ پہنچا جب کہ میں اکہتر کی ابتدا میں تھا، اور میں اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنے خاص معمرین لوگوں میں سے بنائے جو اپنی انتہائی عمر کو پہنچتے ہیں، جن کی حج وعمرے کے لیے آمد ورفت رہتی ہے، اور وہ عرفات میں قیام اور زیارات میں جڑے رہتے

ہیں، اور حرم شریف کے صحن میں پڑے رہتے ہیں، صبح وشام اہل خیر میں ان کا قیام رہتا ہے، (العباب: ق ر ح)

(۳۳) میذ: ازہری نے کہا: لیث نے کہا: میذ ہندوستان کی ایک نسل ہے۔ ان کی حیثیت ترک والی ہے۔ سمندر میں مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرا رہتے ہیں، اس کتاب کے مصنف صغانی نے کہا: میں انھیں نہیں جانتا ہندوستان کے مشرق ومغرب میں دور دراز کے اسفار اور تیس سال سے زائد عرصے تک وہاں کے قیام کے باوجود میں نے ان کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔ (العباب: م ی ذ)

اس کتاب کے محقق اور پیش کرنے والے محمد حسن بن محمد حسین کہتے ہیں: یہ ایک قوم ہے جو ساحل سمندر کے رہنے والے تھے، یہ سمندر میں لوگوں کا مال لوٹ لیتے تھے، صغانی کا ان کے بارے میں نہ سننا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس دور میں ایسی کوئی قوم ہی نہیں تھی، مشہور مؤرخ بلاذری نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے (فتوح البلدان: ۴۳۵) وہ کہتا ہے:

> حجاج نے مجّاعۃ کے بعد محمد بن ہارون بن ذراع النمری کو مقرر کیا۔ یاقوت کے جزیرے کے والی نے حجاج کو وہ مسلم خواتین تحفے کے طور پر روانہ کیں جو ان کے ملک میں پیدا ہوئی اور ان کے آبا تجارت کے پیشے سے وابستہ تھے اور وفات پا چکے تھے، ان کے ذریعے سے اس نے ضرورت پوری کرنا چاہی، وہ کشتی جس میں یہ خواتین تھیں، دیبل کے مید کے کچھ لوگ بوارج میں اس کے آگے رکاوٹ بن گئے۔ لہٰذا انھوں نے کشتیوں اور ان کے اندر جو کچھ تھا اس پر قبضہ کر لیا۔

(۳۴) ابن عباد: الخلیل: دکنکص: ہندوستان میں ایک دریا کا نام ہے:

اس کتاب کے مصنف صغانی رحمہ اللہ تعالی نے کہا: یہ کلام کئی حوالوں سے محل غور ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ خلیل نے ایسا نہیں کہا، دوسری بات یہ ہے کہ اہل ہند کی لغت میں صاد ہے ہی نہیں، اسی طرح تمام اہل عجم کی لغت میں، انھوں نے سو کے لیے "صد" کی اصطلاح مقرر کی ہے، اور اسی طرح نو سو تک اور تیسری بات یہ کہ میں نے چالیس سال سے کچھ اوپر کا عرصہ ہندوسندھ کے مشرق ومغرب میں سفر کیا ہے میں نے وہاں کے اکثر دریا دیکھے ہیں مجھے ایسے نام ملے ہیں جن کو میں نے دیکھا ہی نہیں جو نو سو سے اوپر کی تعداد میں ہیں، لیکن میں نے نہ تو یہ دریا دیکھا ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں کچھ سنا ہے، ہاں ان کے ہاں ایک بہت بڑا دریا ہے جب اس کا پانی بڑھ جاتا ہے، تو اس کی چوڑائی ایک فرسخ ہو جاتی ہے، اور جب اس میں کمی ہوتی ہے تو اس وقت اس کی چوڑائی دجلہ کی چوڑائی (جب اس میں پانی زیادہ ہو) سے دوگنا ہوتی ہے۔ ہندوستان کے کفار ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اس دریا کا حج کرنے آتے ہیں، اس سے برکت حاصل کرتے ہیں، اس کے قرب جوار میں اپنے سر اور ڈاڑھی کے بال منڈواتے ہیں، وہ اپنے عقائد کے مطابق مردوں کو گناہوں سے پاک کرنے کے لیے تختوں پر رکھ اس دریا میں چھوڑ دیتے ہیں، اپنے جن مردوں کو جلا دیا ہوتا ہے ان کی راکھ کو اس میں بہا دیتے ہیں، یہ ان کا مشہور ترین دریا ہے جس کا نام کند (گنگا) ہے، اس (کے نام) میں کوئی تحریف ہوئی ہے کیونکہ ان کے ہاں "دکنکص" نام کا کوئی دریا

نہیں۔

ابن عُزیر کی کتاب دیوان الأدب وميدان العرب میں آیا ہے: ''الد کنکوص'' ہندوستان میں ایک دریا کا نام ہے (العباب: دک ص)

(۳۵) ربذہ بھی ایک جگہ کا نام ہے جہاں اَبوذر رضی اللہ عنہ کی قبر ہے ... میں ربذہ گیا ہوں، وہاں اپنے ایک نیک دوست کو دفن بھی کیا ہے، اللہ تعالی ہم پر اور اس پر رحم فرمائے (العباب رب ذ)

(۳۶) اَعشاش: بلاد سعد میں طمیہ کے قریب ایک جگہ ہے، اس کتاب کے مصنف صغانی رحمہ اللہ تعالی نے کہا: میں وہاں گیا ہوں

(۳۷) حرف الظاء کے اختتام میں ہے:

کتاب العباب الزاخر واللباب الفاخر میں حرف الظاء کا اختتام، جو کہ اللہ تعالی کے حرم کے پناہ گزین حسن بن محمد بن الحسن الصغانی کی تصنیف ہے، اللہ تعالی اسے جنت کے بالاخانوں میں اپنے قرب سے مانوس فرمائے، اور اہل معلّی میں اس کی قبر کی جگہ میں بشاشت عطا فرمائے۔اس حالت میں اس کو تصنیف کیا کہ وہ اشرف البقاع کی طرف واپس جانے سے روک دیا گیا ہے، اس کے آنسو مسلسل اور لگاتار برس رہے ہیں، وہ اللہ تعالی سے گڑگڑا کر دعا گو ہے کہ اس سے یہ گرد منکشف ہو جائے، اور اس مشکل سے اٹھا کر بلندی عطا فرمائے، جب کہ وہ ستر سے تین سال اوپر گزار چکا ہے، اور صاف بہتے چشمے پر نہیں اترا اور نہ ہی کسی خالص محبت کرنے والے مددگار سے ملا، بہ ہر حال اسی اللہ وحدہ کا شکر ہے، اور اس کی بہترین تخلیق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی آل، اولاد اور ازواج پر درود ہے۔

* * *

یہ سب وہ باتیں تھیں جو صغانی نے اپنی کتاب العباب میں اپنے بارے میں خود بتائیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی کچھ باتیں کئی حوالوں سے خود ان کے اس قول کی تصدیق نہیں کرتیں کہ وہ ۵۷۷ ھ میں پیدا ہوئے:

اُولاً یہ کہ سنہ ۵۸۰ سے کچھ بعد کے سالوں میں ان کے والد صاحب ان کے سامنے ''بيض مفارقنا'' کی تشریحات پیش کرتے ہیں، جب کہ وہ پانچ یا چھ سال کے تھے، حالانکہ اس عمر کا بچہ اس طرح کی پیچیدہ تشریحات کو نہیں سمجھ سکتا۔

ثانیاً: آپ کے والد نے آپ سے ''أثر حصير الحصير في حصير الحصير'' کا مطلب پوچھا، یہ سنہ ۵۹۰ سے پہلے کی بات ہے، جب کہ اس وقت وہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہے تھے، دس سال کے بچے کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہا تھا۔

ثالثاً: جب آپ عباب کی تصنیف میں "ق ر ح" تک پہنچے تو آپ ۷۱ویں سال کی ابتدا میں تھے، اور "ح ر ر" تک سنہ ۶۴۷ ھ کو پہنچے، جب کہ اس وقت تک آپ کی عمر کم از کم ۷۱ سال پوری ہو جانی چاہیے، پھر جب حرف الظاء کے آخر میں پہنچے تہتر سال کے ہو چکے تھے اور ابھی آپ کی کتاب مکمل نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کا اکثر حصہ باقی

تھا، پھر صغانی اس وقت تک زندہ رہے جب تک کہ انھوں نے اپنی کتاب العباب کی ''ب ک م'' تک تصنیف مکمل کی، تو اس سے ثابت ہوا کہ وہ تہتر سال سے زیادہ عمر تک زندہ رہے، اس چیز سے دلیل ملتی ہے کہ یا تو ان کی تاریخ ولادت غلط ہے یا تاریخ وفات، جب کہ یہ بات طے ہے کہ ان کی تاریخ وفات ۶۵۰ھ ہے لہذا ہماری رائے یہی ہی کہ ان تاریخ ولادت درست نہیں۔

اب ہم دوسرے زاویے سے ثابت کرتے ہیں، وہ یہ کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں چالیس سال سے زیادہ مقیم رہے، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سنہ ۵۸۰ سے ۵۹۰ تک غزنہ میں رہے اور پھر ساتویں صدی کی ابتدا سے ۶۱۷ھ تک حجاز اور یمن و عدن میں گھومتے رہے، یہاں تک کہ بغداد پہنچے پھر سنہ ۶۳۵ میں ہندوستان سے واپسی کے بعد اپنی وفات ۶۵۰ھ تک بغداد میں ٹھہرے یہ سب ۴۲ سال بنتے ہیں، اگر اس مجموعے میں ان کے ہندوستان ٹھہرنے کے عرصے کو بھی شامل کر لیں تو یہ اسی سال سے بھی زیادہ کا عرصہ بنتا ہے۔

مراجع سے ہمیں ان کے اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں ملتی جس سے پتہ چل سکے کہ آپ کے آبا و اجداد صغانیان سے نکلے، لیکن آپ غزنہ کا تذکرہ بار بار کرتے ہیں، اس سے پتا چلتا ہے کہ کہ آپ کے آبا آپ کی پیدائش سے کافی عرصہ قبل ہی غزنہ کو وطن بنا چکے تھے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطان محمود غزنوی کے دور سے غزنہ علما کا مرجع و ماویٰ بن چکا تھا، ہمیں صغانی بتاتے ہیں کہ آپ کے والد صاحب نے یہیں تعلیم حاصل کی۔

جب ہم تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی مملکت جب مضبوط ہوئی، اس نے فتوحات پر فتوحات حاصل کیں، شکست دے کر ان ممالک پر قبضہ کرتا رہا۔ اس کی سلطنت اطراف کی تمام حکومتوں سے زیادہ ترقی یافتہ زبردست اور غالب تھی، لیکن جب اس کا انتقال ہوا تو سلطنت کمزور ہوتی گئی یہاں تک کہ ارد گرد کی حکومتیں اس پر حملہ کرتی رہیں۔ اس کے جانشینوں کے دور میں خوب خون خرابہ اور قتل و غارت گری ہوئی۔

سلطنت غور کے بادشاہوں نے آل محمود کی سلطنت کو کمزور اور بے بس کر دیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر غزنہ، بُست، سرزمین داور، تکین آباد پر قبضہ کر لیا سلطنت کمزور ہوگئی اور اس کی ہوا اکھڑ گئی، تو جب سلطان یمین الدولہ والدّین خسرو شاہ تخت سلطنت پر بیٹھا سنہ ۵۵۲ میں اس کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ وہ اپنے دشمنوں سے نبرد آزما ہو سکتا اور اپنی سلطنت کا دفاع کر سکتا، لشکریوں کی ایک جماعت نے خراسان پر قبضہ جما لیا تھا، سلطان سعید سنجر کے دن ختم ہو چکے تھے۔ جب غزنہ کی طرف ایک لشکر آیا خسرو شاہ کو اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ ان سے اپنی حکومت کو بچا سکتا، لہذا وہ ہندوستان کی طرف بھاگ گیا اس طرح انھوں نے اس کے ہاتھوں سے غزنہ اچک لیا بارہ سال تک اسی طرح معاملہ چلتا رہا، پھر سلطان سعید غیاث الدین محمد سام (أنار الله برهانه) غزنہ کی طرف ایک لشکر لے کر آئے غزّ کے لشکروں میں شگاف ڈال دیا اور انھیں شکست دی اور غزنہ پر تسلط قائم کر لیا، اور سلطان السعید معزّ الدین محمد سام کو غزنہ کے تخت پر بٹھایا، خسرو شاہ اس وقت ہندوستان کے شہر لاہور میں تھا، اس کی مدت حکومت سات سال رہی۔

یہ بات یقین کی حد تک معلوم ہوتی ہے، کہ صغانی کے والد انھی حملوں میں سے کسی حملے کے نتیجے میں غزنہ سے بھاگ کر لاہور میں آ ٹھہرے، یہیں صغانی کی پیدائش ہوئی، جس طرح کے صغانی نے بتایا۔ سلطان با نصیب معز الدین محمد سام سنہ ۵۷۷ تک ہر سال غزنہ سے حملے کی نیت سے نکلتا اور ہند و سندھ کے اردگرد کے کئی علاقوں پر قبضہ جما لیتا اسی طرح وہ لاہور کی طرف آیا اور خسرو شاہ کی حکومت کو کمزور کر کے اس سے حکومت چھین لی اور غزنہ واپس چلا گیا۔

مراجع نے یہ نہیں بتایا کہ اَبو الصغانی لاہور میں کتنا ٹھہرے اور کب غزنہ واپس چلے گئے، لیکن ہم تخمینہ لگاتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب لوگوں کو اطمینان حاصل ہو گیا اور خوف وگھبراہٹ کے بادل چھٹ گئے تو اپنے دیس کی طرف واپس ہو گئے۔ صغانی کے والد بھی غزنہ واپس چلے گئے، وہیں صغانی نے نشوونما پائی، اپنے والد اور دوسرے حضرات سے علم حاصل کیا، مراجع سے ان کے نام کا پتا نہیں چلتا۔

صغانی کے اولین سوانح نگار یاقوت الرومی (متوفی سنہ ۶۲۶ھ) سے، جو کہ ان کے معاصر تھے اور ایک مشہور شخصیت تھے، معلوم ہوتا ہے کہ صغانی کو اس سے کئی سال قبل شہرت حاصل ہو چکی تھی، جس کی وجہ سے یاقوت کو ان کے سوانح لکھنے پڑے: یہ بات انھی کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہے۔[۱۳]

عراق آئے پھر حج ادا کیا پھر یمن میں داخل ہوئے وہاں ان کا بازار گرم رہا، عدن میں وہ سنہ ۶۱۰ میں داخل ہوئے۔ ادب پر ان کی کچھ تالیفات یہ ہیں، تکملة العزیزی اور کتاب فی التصریف اور مناسك الحج جس کا اختتام انھوں نے ان اشعار پر کیا ہے:

شَوْقِی إلی الکَعْبَة الغَرَّاء قد زادا
أرَاقَک الحَنْظَلُ العَامِیُّ مُنْتَجعاً
أَتْعَبْتَ سَرْحَکَ حتی آض عن کَثَب
فَاقْطَعْ عَلائِقَ مَا تَرْجُوْهُ مِنْ نَشَبٍ
فاسْتَحْمِلِ القُلَّصَ الوَخّادَة الزَّادا
وغیرُک انْتَجَع السَّعْدَانَ وَارْتَادَا
نِیاقُهَا رُزَّحاً وَالصَّعْبُ مُنْقَادَا
وَاسْتَوْدِعِ الله أَمْوالاً وَأَوْلادَا

کعبہ مشرفہ کی طرف میرا شوق بڑھتا جا رہا ہے، لہٰذا اب اپنے سامان سفر کو لمبی ٹانگوں والی تیز رفتار اونٹنیوں پر لا دو۔ تجھے تو عام اندرائن کی چراگاہ ہی پسند آ گئی ہے، جب کہ دیگر لوگوں نے سعدان کی چراگاہ طلب کی اور وہیں سے ان کے جانور چرے۔

تو نے تو اپنے جانوروں کو اس قدر تھکا مارا کہ اونٹنیاں لاغر و نڈھال ہو گئیں اور سرکش اونٹ مطیع ہو گئے۔ دولت و جائیداد کی جو خواہشات اپنے دل میں پالی ہوئی ہیں، ان کو اپنے سے دور کر اور مال و اولاد اللہ کے

سپرد کر دے۔

آپ کے سامنے خطابی[14] کی معالم السنن پڑھی جاتی تھی، انھیں یہ کتاب اور اسے کے مصنف کا کلام بہت پسند تھا، اور آپ کہا کرتے تھے کہ خطابی نے اس کتاب میں سب کچھ جمع کر دیا ہے، وہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے، اُبوعُبید القاسم بن سلام کی غریب حفظ کرلو کیونکہ جس نے اسے یاد کرلیا وہ ہزار دینار کا مالک بن گیا، میں نے بھی اسے حفظ کیا ہے اور اس کا مالک بن گیا ہوں، اسی طرح میں نے اپنے ایک ساتھی کو اس کا مشورہ دیا اس نے بھی اسے حفظ کر کے (ہزار دینار کی) ملکیت پالی۔ سنہ ۶۱۳ میں آپ مکہ میں تھے، یمن سے واپسی ہوئی تھی، اور یہ آپ کا یمن میں آخری وقت تھا۔

میں نے دیکھا ہے کہ یاقوت جو کہ صغانی سے ۲۴ سال پہلے وفات پا گئے، انھوں نے اپنی کتاب میں صغانی کے سوانح لکھے باوجود اس کے کہ معاصرین میں باہمی مقابلہ اور حسد کی کیفیت ہوتی ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ (یاقوت) ایک منصف انسان تھے کسی چیز نے انھیں حق کہنے سے باز نہیں رکھا، یاقوت کے پاس صغانی کے بارے میں ۶۱۳ کے بعد کی کوئی خبر نہیں تھی اگرچہ وہ مزید تیرہ برس زندہ رہے، میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ صغانی مکہ میں ۶۱۴ کے آخر تک رہے، پھر سنہ ۶۱۵ میں بغداد آ گئے، اور یہ ان کی بغداد میں اولین آمد تھے، جب کہ یاقوت اس وقت مختلف شہروں کے دوروں پر تھے، جنگلوں اور بیابانوں کو طے کر رہے تھے، اور سنہ ۶۱۷ میں [15] شہرستان سے تاتاریوں [کے ڈر] سے بھاگے اور اسی سال صغانی ہندوستان کے بادشاہ کی طرف پیغام بر بنا کر بھیجے گئے، سنہ ۶۲۴ھ تک وہیں رہے، پھر اس سال دوبارہ ہندوستان بھیجا گیا تو ۶۳۷ھ کو جا کر واپسی ہوئی، جب کہ یاقوت اسی عرصے میں وفات پا چکے تھے۔

صغانی بتاتے ہیں کہ انھوں نے طویل سفر کیے کئی ممالک گھومے خاص طور پر ہندوستان، جہاں ان کا قیام چالیس سال سے زیادہ عرصہ رہا، اس کے مشرق و مغرب کی سیر کی لہذا یہ دعوی کیا کہ وہ اسی دیس کے فرزند ہیں، انھوں نے ایسے مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں وہ خود گئے ہیں، اور وقتاً فوقتاً وہاں قیام کیا ہے، انھیں اپنے گھر میں عجیب وغریب قسم کے جانور جمع کرنے سے دل چسپی تھی، یہ سب باتیں اس چیز کو ثابت کرتی ہیں کہ ان کو آسودہ اور کشائش والی زندگی حاصل تھی۔

جب بغداد پہنچے تو ان کی آمد سے قبل ہی ان کی شہرت وہاں پہنچ چکی تھی، لیکن لوگ ان کو نہیں جانتے تھے، ایک بار ایسا ہوا کہ وہ ایک محدث کی مجلس سے گزرے جو درس دے رہا تھا، اس نے پڑھا:

''**إذا سكب المؤذن يجب على الناس أن يوافقوه في الأذان**'' تو صغانی نے آہستہ سے کہا ''سَکَتَ'' بجائے ''سَکَبَ'' محدث نے یہ بات سن لی تو بولا: ''سکت المؤذن'' کس نے کہا ہے، صغانی نے کہا میں نے، تو محدث نے کہا دونوں صحیح ہیں، پھر جب مجلس ختم ہوئی، انھوں نے کتب حدیث کے صحیح نسخوں کی مراجعت کی تو اس میں ویسا ہی پایا جیسا کہ صغانی نے کہا۔ اس وقت سے عوام وخواص میں ان کا معاملہ معروف ومشہور ہو گیا، تو لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور لغت وحدیث اور دیگر علوم میں ان کی علمی گہرائی معلوم کرنے کے لیے ان پر سوالات کا

ڈھیر لگا دیا، یہاں تک کہ ان کی شہرت خلیفہ تک پہنچ گئی۔ وہ ویسے ہی کسی ایسے آدمی کی تلاش میں تھا جس کے اندر ہندوستان کے بادشاہ کے پاس رسالہ (پیغام) لے جانے کی تمام مطلوبہ صلاحیتیں موجود ہوں۔ لہٰذا اس نے صغانی کو طلب کیا، اسے حسب منشا پایا۔ صغانی بادشاہ کا پیام لے کر سنہ ٦١٧ ھ میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے، وہیں رہے یہاں تک کہ سنہ ٦٢٢ ھ میں الناصر لدین اللہ أمیر المؤمنین أبوالعباس أحمد بن المستضی ء وفات پا گئے اور مستنصر باللہ ان کے بعد تخت نشین ہوئے، جب انھیں الناصر لدین اللہ کی موت کی خبر ملی تو ٦٢٤ ھ میں بغداد واپس آئے، پھر اسی سال دوسری مرتبہ ہندوستان کی طرف روانہ کیے گئے، اپنے رستے میں ان مقامات پر سے گزرے جن کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

صغانی اور ان کے رفقا سنہ ٦٢٥ ماہ رمضان میں پیام سفارت لے کر ناگور کے گرد و نواح میں پہنچے[١٦]، اس کے بعد دار السلطنت دہلی پہنچے، اس میں ان کا داخلہ ربیع الأول کی بائیس تاریخ کو سنہ ٦٢٦ میں ہوا، وہاں ایک شاندار تقریب منعقد کی، ان پیغام بروں کی آمد پر شہر سجایا گیا۔

اس کے بعد صغانی نے ہندوستان میں قیام کیا یہاں تک کہ ہندوستان کے حالات بدل گئے اور زمانے نے پلٹا کھایا، اچھے حالات برے حالات میں تبدیل ہو گئے، زندگی کی آسودگی تنگی و سختی میں بدل گئی، کشادہ دستی کے بعد غربت نے گھیر لیا، یہاں تک کہ زیادہ عرصے کے قیام سے اکتا گئے، اور بغداد میں اپنے دو بیٹے یاد آنے لگے، اور ان کی ملاقات کا اشتیاق اور اداسی بڑھ گئی، جیسا کہ کہتے ہیں:

> عزّت کے گھر بغداد میں جہاں الإمام الرضی المستنصر کا سایہ دراز ہے، میرے دو بیٹے ہیں، اور
> اب میں عدن اور دو بیٹوں والا، نہ چاہتے ہوئے ہند و سندھ میں ہوں۔[١٧]

پھر اللہ تبارک وتعالی نے ان کے لیے خلاصی کی راہ کھول دی، سنہ ٦٣٧ ھ میں بغداد واپس آئے، اس سے قبل آپ ٢١ حج ادا کر چکے تھے، زیارت کعبہ کا انھیں عشق تھا، لیکن حالات نے اجازت نہ دی کہ وہ بیت اللہ کی دوبارہ زیارت کر سکیں، آپ کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ جب بھی حرم شریف کا ذکر کرتے تو انتہائی غمگین اور دکھی و رنجیدہ دل سے کرتے، جیسا کہ کہتے ہیں[١٧]:

> ''اشرف البقاع کی طرف اس کے جانا ممنوع ہو گیا ہے، اور اس کی ایسی حالت ہے کہ آنسو
> مستقل موسلا دھار بہہ رہے ہیں''

اور یہ بھی کہا[١٨]:

> ''اس کتاب کی تالیف کی جب کہ وہ (مؤلف) بیت اللہ تعالی الحرام کی زیارت سے محروم ہے''

میرے خیال میں بیت اللہ تعالی کی طرف ان کے جانے میں دو چیزیں مانع تھیں: جن میں ایک بات یہ تھی کہ مغولی لشکروں کے حملوں کی وجہ سے راستہ پر امن نہیں رہا تھا: ابن الفوطی نے کہا[١٩]:

> سنہ ٦٤٠ ھ میں امور حج کے اہتمام کا ذکر کیا: رمضان کے مہینے میں صاحب الدیوان فخر الدین
> بن أبی سعد المبارک بن المخر می کے پاس آئے کہ امور حج اور وہاں سے واپسی کا اچھے انداز

میں اہتمام کریں، جو کہ سنہ۶۳۴ سے منقطع ہو چکا تھا۔

پھر سنہ۶۴۳ ھ کے واقعات کے ضمن میں کہتے ہیں [۲۰]:

> اسی سال عراق سے حج کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس کی وجہ وہ تذکرے تھے جو مغول کے لشکریوں کے بارے میں چل رہے تھے، اور دوسرا یہ کہ جب وہ ہندوستان سے لوٹے تو تنگ دستی اور افلاس کی حالت میں واپسی ہوئی، لہذا وزیر علقمی کے بیٹے عز الدین کے استاد بننے پر مجبور ہو گئے، وہ اسے دار الخلافہ میں پڑھاتے تھے۔

یہی دو سبب تھے جنھوں نے انھیں حج پر جانے سے روکے رکھا، میرا گمان غالب یہی ہے کہ ہندوستان سے واپسی کے بعد انھوں نے کوئی حج نہیں کیا۔

امام الناصر لدین اللہ متوفی سنہ۶۲۲ ھ نے مرزبانیہ میں ایک سرائے بنائی تھی، پھر امام اُبو جعفر المستنصر باللہ نے صغانی کو اس سرائے کی سربراہی سپرد کی، مستنصر کا عہد سنہ۶۲۳ ھ سے ۶۴۰ تک کا ہے۔ صغانی سنہ ۶۳۷ ھ تک تو بغداد میں ہی نہیں تھے، اسی سال ہندوستان سے واپسی ہوئی، تو یقیناً یہ سربراہی ہندوستان سے واپسی پر ہی ملی ہو گی، مستنصر کے آخری ایام تک اسی حالت میں رہے، پھر جب پتا چلا کہ واقف کے لیے شافعی ہونا شرط ہے تو اس ذمہ داری سے استعفی دے دیا۔

پھر امام مستعصم باللہ نے مدرسہ تُتشتیّہ کے معاملات ان کے سپرد کر دیے، یہ احناف کا مدرسہ تھا، مدرسہ نظامیہ کے قریب تھا، جب آپ اس مدرسے کی طرف تشریف لائے تو ایک بلیغ خطبہ دیا اور دس اسباق دیے، ان سے فارغ ہونے کے بعد یہ شعر پڑھے:

فَهَاكُمْ يا سادَتِيْ
ولَستُ حِبراً عالماً
فأنتم مَعَادن الفَ ؟
فَلْتُعْذِرُوا أَخَاكُمْ
مِنّي دُرُوساً عَشَرَة
لكنها مُحَبّره
ضُل الكرامُ البَرَرَهْ
فَمِثْلُكُم مَنْ عَذَرَهْ

اے میرے سادات، آپ کے لیے یہ ہیں میری طرف سے دس اسباق
میں کوئی بڑا عالم و فاضل نہیں ہوں، بس یہ کچھ لکھی لکھائی باتیں ہیں
آپ لوگ تو علم وفضل کے سرچشمے، اور نیک معزز لوگ ہو
لہٰذا اپنے بھائی کی معذرت قبول کرو، کیونکہ آپ جیسے ہی تو معذرت قبول کرتے ہیں۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ صغانی نے ہندوستان میں ایک طویل عرصے تک قیام کیا، تو اس سالہا سال کے قیام میں یہاں کی مقامی آبادی سے متأثر ہونا، ان کے اخلاق میں رنگا جانا اور عادات کو اپنا لینا ناگزیر تھا- قدیم زمانے سے آج تک اہل ہند کی عادات میں سے ہے کہ وہ ستاروں کے احکام پر یقین رکھتے ہیں۔ ہر ہندو کا ایک طالع مولود ہوتا ہے، نجوم کا ماہر اس کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات حیات کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہے، ہمارے موصوف نے بھی ایسا ہی کیا ان کے ہاں بھی ایک طالع مولود ہے، یہ چیز ان کے ضعف ایمان پر دلالت کرتی ہے۔

الغیب یعلمه المهیمن وحده فمن المنجم وَیُحَه والکوکب؟

غیب کو تو وہی یکتا ذات جانتی ہے جس نے ہر چیز کو اپنی قدرت کے گھیرے میں لیا ہوا ہے

وائے افسوس یہ نجومی اور ستارے کون ہیں؟

نجومی نے اسی میں ایک خاص دن صغانی کی موت کا بتایا، وہ اس دن کا انتظار کرتا رہا، پھر جب وہ دن آ گیا تو وہ مکمل صحت و اور کامل عافیت کے ساتھ تھا، لہذا ان کے دوستوں نے سب سے ہٹ کر ان کو خاص طور پر شکرانے کے طور پر دعوت دی، پھر جب کھانے سے فارغ ہوئے اور سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے، تو اچانک موت سر پر آ گئی، اور ان کی وفات ہوگئی، ان کی وفات کی خبر پھیل گئی، دوستوں نے بھی اپنے گھروں میں قدم رکھنے سے پہلے اس خبر کو سن لیا۔

صغانی فطری طور پر حمیت وحریت والے خود دار انسان تھے، سہارے ڈھونڈنا اور چاپلوسی ان کی طبیعت میں نہیں تھی، لہذا وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو بادشاہان اور امرا کے آگے جھکیں، جیسا کہ کہتے ہیں:

لا أستکینُ لسلطان ولا ملِکٍ بعظمه فرَدَانی ثُمَّ أَرْدَانِی

میں عظمت کی وجہ سے کسی سلطان اور بادشاہ کے آگے نہیں جھکتا ہوں، اسی چیز نے مجھے گرایا اور ہلاک کر دیا۔

ان کے طویل قصیدہ نونیہ سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ ان کی بیوی اس وقت ہی وفات پا گئی تھیں جب وہ ہندوستان میں مقیم تھے، اس کی وفات کے بعد بغداد میں ان کے دو بیٹے ہی رہ گئے تھے، جیسا کہ بیان ہو چکا۔

آپ کے اکثر سوانح نگاروں نے آپ کی وفات ۶۵۰ھ درج کی ہے، لیکن ''لین''[۲۱] کہتا ہے: آپ نے ۶۶۰ یا ۶۶۵ میں وفات پائی، پہلی والی تاریخ کے سلسلے میں وہ سیوطی کی مزہر کا حوالہ دیتا ہے اور دوسری والی کے لیے زبیدی کی تاج العروس (ص غ ن) کا حوالہ دیتا ہے، لیکن وہ اپنے دونوں قولوں میں درست نہیں ہے، کیونکہ سیوطی[۲۲] کہتے ہیں: کہ صغانی نے ۶۵۰ھ میں وفات پائی، اور تاج العروس (ص غ ن) میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔

اور اسی طرح J. A. Haywood[۲۳] نے کہا ہے کہ صغانی نے ۱۲۶۲ء = ۶۶۰ھ میں وفات پائی؛ اس نے بھی وہی غلطی کی ہے لگتا ہے کہ اس نے "لین" کی بات ہی نقل کر دی ہے۔

صغانی کی خواہش تھی کہ وہ بلد اللہ الحرام میں وفات پائیں اور وہیں دفن ہوں، انھوں نے وصیت کی ہوئی تھی کہ اگر اس کے علاوہ کہیں اور وفات ہو تو ہو سکے تو اسی کی طرف لے جا کر دفن جائے، اور یہ بھی وصیت کی تھی کہ جو اس طرف لے کر جائے اسے پچاس دینار دیے جائیں، یہی وجہ ہے کہ پہلے پہل ان کو بغداد کے مغرب میں الحریم

الطاہری میں واقع ان کے گھر میں دفن کیا گیا بعد ازاں ان کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے مکہ دفن کیا گیا۔

اسی طرح صغانی کے حوالے سے کچھ دوسری روایات بھی ہیں جن کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا کہ قطب الدین ایبک نے انھیں لاہور کی قضا کی پیش کش کی لیکن صغانی نے اسے ٹھکرا دیا، لگتا ہے کہ وہ سنہ ۵۹۹ سے پہلے کول (قدیم اور حالاً علی گڑھ میں) تھے انھوں نے وہاں کے نقیب کے معاون کے طور پر کام کیا پھر استعفیٰ دے دیا کیونکہ انھوں نے ننگے پاؤں مجرد حالت میں حج کا ارادہ کر لیا تھا، وغیرہ۔

حوالہ جات:

۱۔ آپ کے شاگردوں نے اسی طرح بیان کیا ہے، جیسا کہ صغانی کی کتاب الانفعال کے تصویری نسخے کے آخر میں ہے؛ اس جگہ ان کے تلامذہ: سید فاضل قطب الدین ابوبکر بن علی القسطلانی، فقیہ جمال الدین أبوعبداللہ محمد بن عبدالمنعم بن عبد الأحد الکتانی القاہری، محمد بن عبدالرحمٰن المکی اور عبدالرحمٰن بن خلف الدمیاطی نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے صغانی سے ان کی کتاب الانفعال بغداد کے مغرب میں واقع حریم طاہری میں ان کے گھر میں ۲۳ محرم ۶۵۰ ھ میں یعنی ان کی وفات سے کچھ عرصہ قبل پڑھی ہے۔

۲۔ اس سے مراد امجد فیروز آبادی ہیں

۳۔ بلدان: ۳:۳۶۲؛ ۳:۳۹۳، سمعانی سے نقل کرتے ہیں

۴۔ کچھ لوگوں کو صغانی کے اس قول سے دھوکہ لگا ہے (تاریخ ثغر عدن: ۵۵) کہ میں عمری ہوں پھر صاغانی۔، اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اس نسبت کو جائز قرار دیا ہے؛ یہ بات حجت اس لیے نہیں کیونکہ صغانی وزن و قافیہ کی مجبوری میں ''صاغانی'' کہا ہے۔

۵۔ دیوان الحماسۃ: ص ۷۷، ق ۱۴، بشامۃ بن حزن النہشلی، نہشل بن دارم سے ہیں، ان کے سوانح یا کچھ ایسے واقعات نہیں ملے جس سے ان کے بارے میں کچھ پتہ چل سکے. صاحب الخزانہ کا خیال ہے کہ یہ اسلامی دور کے شاعر تھے. (المؤتلف والمختلف: ۷۸، الخزانۃ (۳/۵۱۵)
اس قصیدے کا مطلع:

إنّا مُحَيّوكِ يا سَلمى فَحَيّينا *** وَإِن سَقَيتِ كِرامَ الناسِ فَاسقِينَا

۶۔ بغیر کانٹوں کا ایک کمزور سا درخت

۷۔ ایک قسم کا درخت جو جلدی آگ پکڑ لیتا ہے (مترجم از المنجد)

۸۔ ایک درخت جس سے آگ نکالنے کا کام لیا جاتا ہے (مترجم از المنجد)

۹۔ یہ جانور بلی کی مانند اس سے کچھ بڑا ہوتا ہے اس سے ایک قسم کی خوشبو حاصل کی جاتی ہے، (مترجم، وضاحت از منجد)

۱۰۔ ... زنج اور حبشہ کے درمیان ایک بڑا علاقہ ہے۔

۱۱۔ خز، قز، دیباج، حریر: یہ چاروں ریشم کے مختلف نام ہیں۔

۱۲۔ یوم القرّ کا مطلب ہے ذوالحجہ کی گیارہ تاریخ، میرے نزدیک یہی مناسب ہے، لیکن صاحب متن نے بریکٹ میں ''یوم

القرح'' لکھا ہے تو اس طرح اس کا ممکنہ مطلب ہے، کسی بھی مہینے کی پہلی تین تاریخوں میں سے کوئی تاریخ .**واللہ أعلم بالصواب** (مترجم)

۱۳۔ معجم الأدباء: ۹: ۱۸۹–۱۹۱

۱۴۔ خطابی کی وفات ۳۸۸ھ میں ہوئی

۱۵۔ معجم البلدان: ۳/۳۴۳ ظ

۱۶۔ طبقات ناصری: ۵۳۴، اور دائرۃ المعارف اسلامیہ: مقالہ التمش

۱۷۔ عباب میں حرف ''ظ'' کے آخر میں

۱۸۔ حرف ''ط'' کے آخر میں

۱۹۔ الحوادث الجامعۃ: ۱۷۳

۲۰۔ الحوادث الجامعۃ: ۲۰۸

۲۱۔ XV & Lanes Lexicon XIV

۲۲۔ المزہر: ۲/۴۶۸

۲۳۔ *Arabic Lexicography*: صفحہ ۷۵